انفاقِ اموال۔ شریعت کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد اسحاق

شعبۂ علوم اسلامی، کلیہ معارف اسلامی۔ جامعہ کراچی

ڈاکٹر محمد افتخار احمد

شعبۂ قرآن وسنہ، کلیہ معارف اسلامیہ۔ وفاقی جامعہ اردو کراچی

Abstract

Almighty ALLAH grants different rewards to the humans and also tests them using different ways as well. Out of these rewards, one is of the abundance in wealth. In Qur'an, Al Mighty ALLAH has sometimes termed this wealth as reward and somewhere it is called as a test. If a human fulfills his/her financial obligations then this wealth becomes reward, and when these obligations are not fulfilled then this wealth becomes an evil and a test.

The sayings of Prophet Muhammad (peace be upon him) tell us that on the Day of Judgment, a human will be asked two specific questions about the wealth. One will be that from where this wealth was earned? And the other will be that where and how this wealth was spent? Therefore, from the view point of Islamic Shari'a, we must duly fulfill all our financial obligations so that we can save ourselves from degradation and humiliation on the Day of Judgment.

A man must provide alimony to his family and parents according to his financial status. Zakat, Hajj and other similar financial obligations have also been put on a wealthy Muslim so that he can

use his wealth to please Al Mighty ALLAH. Similarly, this wealth must be spent in order to support his family and help other poor people. Islam has specified this whole financial system so that a human becomes a source of good for others and we all have also been ordered to do well with others.

Key words: Almighty-Wealth-Human-Obligations-Islam

خرچ کرنے کے صحیح طریقے

اسلام کسی کو اپنی ذاتی املاک میں اشیاء رکھنے سے نہیں روکتا۔البتہ اس کے درست استعمال کی ترغیب ضرور دیتا ہے اور اس کا حکم بھی کرتا ہے۔ انسان اپنی املاک کو ناجائز اور حرام راستوں میں استعمال کرسکتا تھا۔اس سے شراب لے سکتا تھا، جوا کھیل سکتا تھا، موسیقی وغیرہ کے آلات خرید سکتا تھا، اور دیگر حرام کاریوں میں اپنی دولت کو بے جا خرچ کرسکتا تھا۔لیکن اسلام نے حلال وحرام اور جائز وناجائز کی فہرست بیان کر کے انسان کو خبردار کردیا ہے اور یہ بتلا دیا ہے کہ یہ سارے کام قابل مواخذہ ہیں، اور اس پر اپنی دولت کا صرف کرنا جرم تصور ہوگا۔چنانچہ سب سے پہلے انسان کی رہنمائی کی گئی تو اسے اپنے سرمائے میں بے جا خرچ اور بخل کرنے سے منع کیا گیا۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولاتبذ رتبذ یرا.ان المبذ رین کانوااخوان الشیٰطین وکان الشیطان لربہ کفورا"(۱)

"اورفضول خرچی مت کرو، بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا ناشکرہ ہے۔

اسی سورت میں تھوڑا سا آگے چل کر مزید ارشاد ہے:

"ولاتجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولاتبسطھا کل البسط فتقعد ملومامحسورا"(۲)

"اور اپنا ہاتھ نہ تو اپنی گردن سے باندھ رکھو(کہ کچھ بھی خرچ نہ کرو)اور نہ ہی اسے بالکل ہی کھولو کہ ملامت زدہ اور حسرت زدہ بن کر بیٹھ جاؤ۔"

یہ آیات بخل اور اسراف سے منع کرتی ہیں۔دین اسلام اعتدال کے ساتھ چلنے کا حکم کرتا ہے۔اور یہی انسان کی معیشت کے استحکام کا سبب ہے۔

پھر زکوٰۃ اور دیگر نفقات واجبہ وغیرہ کا حکم بھی دے کر انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ یہ بھی تمہاری ذمہ داریوں میں سے اہم ذمہ داری ہے۔ان فرائض اور واجبات کے بیان کردینے کے بعد دین نے صدقات نافلہ کو بھی بیان فرمایا ہے، کہ اگر فرائض سے ہٹ کر ویسے ہی اپنی مرضی سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کیلئے خرچ کرنے کا موقع آئے تو یہ بھی باعث اجر وثواب ہے۔آپ یہ

کہہ سکتے ہیں کہ دین اسلام میں انفاق فی سبیل اللہ کا با قاعدہ ایک شعبہ ہے جس کی طرف اسلام اپنے ماننے والوں کو بار بار ترغیب دیتا رہتا ہے۔اور اسے مالی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری بتلاتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کی قبولیت کی شرائط

انسان کا اللہ تعالی کی راہ میں اس کی رضا کیلئے مال خرچ کرنا ہی درحقیقت صحیح معنوں میں خرچ کرنا کہلائے گا جب خرچ کرنے میں کوئی ذاتی غرض نہ ہو، احسان جتانے کی کوشش نہ ہو اور ریا کاری کا اس میں ادنیٰ سا شبہ بھی نہ ہو۔

چنانچہ اسی مقصد کیلئے سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یاایھاالذین اٰمنو الاتبطلو اصدقاتکم بالمن والاذی کالذی ینفق مالہ رئاء الناس (۳)

''اے ایمان والو! اپنے صدقات احسان جتا کر اور اذیت دے کر اس شخص کی طرح ضائع مت کرو جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کیلئے خرچ کرتا ہے۔''

سورہ بقرہ ہی میں اسی حوالے سے مزید ارشاد ہے:

الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ ثم لایتبعون ماانفقوامن ولااذی لھم اجرھم عندربھم ولاخوف علیھم ولاھم یحزنون (۴)

''جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اور پھر خرچ کر لینے کے بعد احسان جتاتے ہیں اور نہ ہی تکلیف دیتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کیلئے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔اور ان کیلئے کسی خوف اور غم کا موقع نہیں ہے۔''

سورۃ النساء میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

والذین ینفقون اموالھم رئاء الناس ولایؤ منون باللہ ولاباالیوم الاٰخر ومن یکن الشیطان لہ قرینافساء قرینا (۵)

''اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بالکل پسند نہیں فرماتا) جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کی غرض سے خرچ کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ۔اور جس شخص کا دوست شیطان ہو تو اس کو بہت ہی برا دوست ملا۔''

ان آیات میں عنداللہ صدقات کی قبولیت کیلئے دو چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ایک نیت میں خلوص ہو اور دوسرا کسی پر احسان جتانے کیلئے نہ ہو۔اور اجر کا وعدہ بھی ایسے ہی صدقات پر ہے۔

(۱) مالی ذمہ داریوں پر ایک نظر

واضح یہ ہوا کہ اپنی ذاتی اور انفرادی ملکیت میں املاک کے آجانے کے بعد اللہ تعالی نے اس کے مصارف اور خرچ کرنے کے طریقے بھی بتلائے ہیں، جن میں سے بعض تو فرض اور واجب ہیں اور بعض کا تعلق استحباب کے ساتھ ہے۔ذیل میں کچھ ذمہ

داریوں کا بیان کیا جارہا ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

بیوی بچوں اور والدین کا نفقہ

مالک کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ جن افراد پر خرچ کرنا اس پر واجب ہے ان افراد پر خرچ کرے۔ان کے کھانے، پینے، پہننے اور رہائش وغیرہ کا انتظام کرے۔اور یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جس کیلئے زکوۃ کی طرح باقاعدہ کوئی نصاب بھی مقرر نہیں ہے۔ایسے افراد درج ذیل ہیں:

اہل وعیال کا نفقہ

از روئے شرع شوہر پر بیوی بچوں کا نان نفقہ واجب ہے۔سورۃ البقرہ میں اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کا اشاد ہے

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن ارادان یتم الرضاعۃ وعلی المولودلہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف (۶)

''جو باپ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت تک دودھ پیے تو مائیں اپنے بچوں کو مکمل دوسال تک دودھ پلائیں۔اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقے سے ماؤں کو کھانا اور لباس دینا ہوگا۔''

اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شوہر پر بیوی کا نان نفقہ اور لباس وغیرہ واجب ہے۔علاوہ ازیں احادیث سے بھی اس بات کا ثبوت بڑی وضاحت کے ساتھ فراہم ہوتا ہے کہ شوہر کے ذمے اپنے اہل وعیال کا نان نفقہ وغیرہ واجب ہے۔نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

فاتقوا اللہ فی نساء کم فانکم اخذتموھن بامان اللہ واستحللتم فروجھن بکلمۃ اللہ .. .... ولھن علیکم رزقھن وکسوتھن بالمعروف (۷)

''پس اپنی عورتوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امان کے تحت لیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ تم نے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کر دیا ہے.......اور تم پر معروف طریقے کے مطابق ان کو کھلانا اور لباس پہنانا ضروری ہے۔''

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

ان ھند بن عتبۃ قالت یارسول اللہ ان اباسفیان رجل شحیح ولیس یعطینی مایکفینی و ولدی الاما اخذت منہ وھو لایعلم فقال خذی مایکفیک وولدک بالمعروف (۸)

''ہند بن عتبہ نے کہا اے اللہ کے رسول ابوسفیان بخیل آدمی ہے۔وہ مجھے میرے اور میرے بچوں کیلئے بقدر کفایت مال نہیں دیتا مگر یہ کہ میں اس کے علم میں لائے بغیر اس میں سے نکال لوں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ معروف طریقے کے مطابق اتنا نکال لیا کرو جو تمہیں اور تمہارے بچوں کیلئے کافی ہو جائے۔''

اندازہ کریں اگر شوہر اپنے اہل وعیال کو بقدر کفایت مال نہ دے تو یہ مال بیوی بچے اس کی اجازت اور مرضی کے بغیر بھی وصول کر سکتے ہیں ۔رسول اللہ ﷺ کی جانب سے اس امر کی اجازت اس ذمہ داری کی اہمیت کو واضح کرتی ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی عمل

اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا اپنا ذاتی طریقہ کار یہ تھا کہ آپ ایک سال کے مکمل خرچے کا انتظام پہلے سے ہی فرما دیا کرتے تھے ۔جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یبیع نخل بنی النضیر ویحبس لاھلہ قوت سنتھم'' (۹)

'' آپ ﷺ بنو نضیر (یہودیوں) کے باغ بیچ کر اس کی آمدنی سے اپنی بیویوں کی ایک سال کی خوراک رکھ لیا کرتے تھے ۔''

اہل وعیال کا نفقہ فقہائے کرام کی نظر میں

صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں :

النفقۃ واجبۃ للزوجۃ علی زوجھامسلمۃ کانت أو کافرۃ اذاسلمت نفسھاالی منزلہ فعلیہ نفقتھا و کسو تھا وسکناھا (۱۰)

''بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمے واجب ہے ،خواہ بیوی مومنہ ہو یا کافرہ ،جب وہ اپنا نفس شوہر کے گھر میں اس کے حوالے کر دے تو اس پر بیوی کا نفقہ ،لباس اور گھر لازم ہے ۔''

اور علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''المغنی'' میں فقہاء کا اجماع بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

فاتفق اھل العلم علی وجوب نفقات الزوجات علی ازواجھن (۱۱)

''اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیویوں کا نفقہ ان کے شوہروں پر واجب ہے ۔''

قرآن کریم کی آیات ،رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور فقہائے کرام کی تشریحات یہ بتلاتی ہیں کہ شوہر کے ذمے اپنے اہل وعیال (بیوی بچوں) کا نان نفقہ وغیرہ واجب ہے ۔اور اس پر تمام اہل علم کا اجماع بھی ہے ۔

والدین کا نفقہ

انسان پر اپنے اہل وعیال کے نفقہ کے ساتھ ساتھ بوڑھے اور کمزور والدین کا نفقہ بھی واجب ہے ۔قرآن وسنت ہمیں اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم کرتے ہیں ۔ایسی احادیث موجود ہیں جن سے اس بات کا ثبوت حاصل ہوتا ہے کہ اولاد پر نادار والدین کا نان نفقہ وغیرہ واجب ہے ،جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

ولدالرجل من کسبہ من اطیب کسبہ فکلوامن اموالھم (۱۲)

''انسان کی اولاد اس کی کمائی میں داخل ہے اور اس کا شمار اس کی سب سے زیادہ پاکیزہ کمائی میں سے ہے۔لہٰذا تم ان کے مال میں سے کھاؤ۔''

اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ان رجلااتی النبی ﷺ فقال یارسول الله ان لی مالاوولداوان والدی یحتاج مالی قال انت ومالک لوالدک ان اولادکم من اطیب کسبکم فکلوامن کسب اولادکم (۱۳)

''ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میرے پاس کچھ مال ہے اور میری اولاد بھی ہے۔اور میرے والد کو میرے مال کی ضرورت ہے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو اور تیرا مال تیرے والد کیلئے ہے،تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ ترین کمائی میں داخل ہے لہٰذا تم اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ۔''

ان تمام روایات میں والدین کو اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھانے کا حکم کیا گیا ہے،اور اولاد کو والدین کی کمائی میں سے قرار دیا گیا ہے، جو کہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اولاد پر نادار والدین کا نان نفقہ وغیرہ واجب ہے۔اور مزید ایک بات یہ سمجھ میں آئی کہ اولاد پر مطلقاً والدین کا نان نفقہ واجب نہیں ہے بلکہ اس صورت میں واجب ہے جبکہ والدین محتاج ہوں۔جیسا کہ آخری روایت سے ثابت ہے۔

اور ان روایات سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ والد کو اپنی اولاد کے مال میں حقیقی ملکیت حاصل ہوتی ہے، جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے کیونکہ والدین کو اپنی اولاد کے مال میں حقیقی ملکیت حاصل نہیں ہے۔لیکن کم از کم ضرورت کے وقت تو ملکیت کا یہ حق حاصل ہو۔جیسا کہ امام کاسانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اسی حدیث کے حوالے سے ''بدائع الصنائع'' میں تحریر فرماتے ہیں:

وظاهره یقتضی ان یکون للاب فی مال ابنه حقیقة الملک فان لم تثبت الحقیقة فلااقل من ان یثبت له حق التملیک عندالحاجة (۱۴)

''اور اس حدیث کا ظاہر اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ والد کو اپنے بیٹے کے مال میں حقیقی ملکیت حاصل ہو۔پس اگر حقیقی ملکیت حاصل نہ ہو تو کم از کم ضرورت کے وقت تو یہ ملکیت کا حق حاصل ہو۔''

الغرض اولاد پر لازم ہے کہ وہ نادار والدین کے نان نفقہ وغیرہ کی ذمہ داری برداشت کرے اور ان کی ہر قسم کی جائز ضروریات پوری کرے۔

(۲) زکوٰۃ

مالک کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ جب وہ صاحب نصاب ہو جائے اور اس کا مال اس کی حوائج اصلیہ سے زائد ہو تو سال میں ایک مرتبہ ایک معین مقدار اپنے مال میں سے نکالے،اور یہ فرض ہے۔نفقات واجبہ کا تعلق انسان کے اہل وعیال اور خاندان کے افراد سے ہے،ایسوں کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے نفقہ کو واجب قرار دیدیا۔اور معاشرے میں جو اور بہت

سارے مختلف قسم کے نادار اور مفلس قسم کے لوگ ہیں ان کی معاونت کیلئے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا حکم فرمایا تا کہ انسان کے مال سے سب ناداروں کو فائدہ پہنچتا رہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم قرآن کریم کی روشنی میں

زکوٰۃ کی فرضیت سے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ (۱۵)

''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔''

زمینی پیداوار کی زکوۃ کے سلسلے میں سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

کلوا من ثمرہ اذا اثمر واٰتوا حقہ یوم حصادہ (۱۶)

''کھاؤ ان کے پھل میں سے جس وقت وہ پھل لے آئیں۔اور ادا کرو ان کا حق جس دن ان کو کاٹو۔''

بالا آیات بتلاتی ہیں کہ زکوٰۃ ہر صاحب حیثیت مسلمان شخص پر فرض ہے۔اور کئی مقامات پر نماز کے ساتھ اس کو بیان کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ زکوٰۃ ایسے ہی فرض ہے جس طرح نماز فرض ہے۔ان دونوں عبادتوں میں حکم کے حوالے سے کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم احادیث کی روشنی میں

کئی احادیث سے اس کی فرضیت کا حکم ملتا ہے۔جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

ان اعرابیا اتی النبی ﷺ قال دلنی علی عمل اذا عملتہ دخلت الجنۃ قال تعبداللہ لاتشرک بہ شیئا و تقیم الصلاۃ المکتوبۃ وتؤتی الزکاۃ المفروضۃ وتصوم رمضان قال والذی نفسی بیدہ لا ازید علی ھذا فلما ولی قال النبی ﷺ من سرہ ان ینظر الی رجل من اھل الجنۃ فلینظر الی ھٰذا (۱۷)

''ایک دیہاتی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جب میں اس کو کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کی بندگی کر، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت بنا۔اور فرض نماز کو قائم کر اور زکوٰۃ دیتا رہے۔اور رمضان کے روزے رکھ۔وہ دیہاتی کہنے لگا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں اس پر کچھ زیادہ نہیں کروں گا۔جب وہ واپس ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی کو اگر جنتی آدمی دیکھنے سے خوشی ہوتی ہو تو وہ اس شخص کو دیکھ لے۔''

علاوہ ازیں حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کا گورنر مقرر فرمایا تو اس موقع پر آپ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا:

انک تاتی قومامن اھل الکتاب فادعھم الی شھادۃ ان لاالہ الااللہ وانی رسول اللہ فان ھم اطاعوالذٰلک فاعلمھم ان اللہ قدافترض علیھم خمس صلوات فی کل یوم ولیلۃ فان ھم اطاعوالذٰلک فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم صدقۃ تؤخذمن اغنیاء ھم فترد فی فقراء ھم فان ھم اطاعوالذٰلک فایاک وکرائم اموالھم و اتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینھاوبین اللہ حجاب (۱۸)

''تم اہل کتاب کے پاس جاؤ گےتو ان کو اس بات کی دعوت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔اگر وہ اس بات کو تسلیم کر لیں تو پھر ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو پھر ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے مال میں زکوٰۃ فرض کی ہے،جو ان کے مالداروں سے لے کر انہی کے غریبوں میں تقسیم کی جائے گی۔جب وہ اس کو بھی مان لیں تو تمہیں ان کے عمدہ مالوں سے احتراز کرنا ہوگا۔اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا اس لئے کہ اس کی بد دعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔''

یہ روایات بتلاتی ہیں کہ ہر صاحب حیثیت مسلمان پر سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔اس لئے کہ آپ ﷺ نے اسے فرائض کے باب میں سے بیان فرمایا ہے اور نماز کی فرضیت کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی فرضیت کا بھی حکم کیا ہے۔لہٰذا فرضیت کے حوالے سے نماز اور زکوٰۃ کے حکم کے مابین کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے۔

علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب غطفان اور بنوسلیم کے لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو سیدنا صدیق اکبرؓ نے ان سے جہاد کا اعلان کر دیا۔غطفان اور بنوسلیم کے لوگوں کی طرف سے زکوٰۃ کے انکار پر سیدنا صدیق اکبرؓ کی جانب سے اعلان جنگ اس کی فرضیت کو ہی واضح کرتا ہے ورنہ اتنا خطرناک ردعمل ظاہر نہ ہوتا۔

(۳)حج بیت اللہ

مالک کی تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ اگر حیثیت ہو،اخراجات برداشت کر سکتا ہو،اہل وعیال اور اپنے زیر کفالت افراد کیلئے نان نفقے وغیرہ کا انتظام بھی کر سکتا ہو تو زندگی میں ایک مرتبہ حج بیت اللہ کیلئے جائے۔اور یہ فرض ہے۔جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا (۱۹)

''اور لوگوں میں سے جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر اللہ تعالیٰ کیلئے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں دیکھیں تو ان سے بھی اس کی فرضیت کا ثبوت حاصل ہوتا ہے۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

لـمانزلت ولله علی الناس حج البیت من استطاع الیه سبیلاقالوایارسول الله الحج فی کـل عـام فسـکـت ثـم قالوافی کل عام فقال لاولوقلت نعم لوجبت فنزلت یایهاالذین اٰمنوا لاتسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم (۲۰)

جب یہ آیت نازل ہوئی ''**ولـلـه علی الناس حج البیت من استطاع الیه سبیلا** ''(اوراللہ تعالیٰ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی) تو صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا حج ہر سال فرض ہے؟ تو آپ خاموش ہو گئے ۔صحابہ کرام نے پھر عرض کیا کہ کیا ہر سال فرض ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشادفرمایا نہیں ۔اور اگر میں کہتا کہ ہاں تو (ہر سال) فرض ہو جاتا ۔پھر یہ آیت نازل ہوئی '' **یـایهـاالـذیـن اٰمـنـوا لاتسـئلوا عن اشیـاء ان تبدلکم تسؤکم** ''(اے ایمان والو! مت پوچھو ایسی باتیں کہ اگر تم پر وہ کھولی جائیں تو تمہیں بری لگیں)

اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

ان الاقـرع بـن حـابـس سـال الـنـبـی ﷺ فـقال یارسول الله الحج فی کل سنة أومرة واحدة قال بل مرة واحدة فمن استطاع فتطوع (۲۱)

''حضرت اقرع ابن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کرتے ہوئے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا حج ہر سال فرض ہے یا (زندگی میں) ایک مرتبہ فرض ہے؟ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ ایک مرتبہ فرض ہے۔اور جو اس سے زیادہ کی طاقت رکھے تو وہ مستحب ہے۔''

بالا قرآنی آیات اوراحادیث سے پتا چلا کہ ہر صاحب حیثیت مسلمان پر زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے۔اور اگر کوئی ایک سے زائد مرتبہ کرنا چاہے تو کرسکتا ہے یہ اللہ کی توفیق ہے اور نفلی عبادت ہے۔

(۴)انفاق مال کی اضافی ذمہ داری

ہر صاحب حیثیت مسلمان پر سال میں ایک مرتبہ زکوۃ ادا کرنا تو فرض ہے ہی لیکن اس کے علاوہ بھی معاشرے میں بعض مواقع ایسے آتے ہیں جس میں خرچ کرنا بھی اس مسلمان پر فرض ہوتا ہے، جبکہ اس کا تعلق زکوۃ وغیرہ کے ساتھ نہیں ہوتا۔اوراس کی صراحت رسول اللہ ﷺ کے واضح اقوال سے ہوتی ہے۔جیسا کہ ''جامع الترمذی'' کی روایت ہے، حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں:

سـالـت أوسـئـل النبی ﷺ عن الزکوٰة فقال ان فی المال لحقاسوی الزکوٰة ثم تلاهٰذه الاٰیة التـی فی البقرة لیس البران تولواوجوهکم قبل المشرق والمغرب .... الایة (۲۲)

''رسول اللہ ﷺ سے میں نے یا کسی اور نے زکوۃ کے بارے میں پوچھا،تو آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ

زکوۃ میں مال کے علاوہ بھی حق ہے۔اس کے بعد آپ ﷺ نے سورہ بقرہ کی یہ آیت تلاوت فرمائی کہ نیکی اس چیز کا نام نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر دو........الی اخرہ۔''

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات یہ بتلاتی ہیں کہ ہر صاحب حیثیت مسلمان پر بعض حالات میں زکوۃ کے علاوہ بھی خرچ کرنا واجب ہے۔ مثلاً سخت بھوک کی حالت میں بھوکے انسان کو کھانا کھلانا یا پیاس کی شدت میں کسی پیاسے آدمی کو پانی پلانا یا برہنہ شخص کو مجبوری کی صورت میں کپڑا پہنانا، یا کوئی بھی ایسا مریض جو اپنے علاج کیلئے وسائل نہ رکھتا ہو اس کا علاج کرانا ہر صاحب حیثیت مسلمان پر ضروری ہے۔اسی طرح ''صحیح بخاری'' کی روایت ہے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فکوا العانی یعنی الاسیر و اطعموا الجائع (۲۳)

''قیدی کو چھڑاؤ اور بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لیس المؤمن بالذی یشبع و جارہ جائع الی جنبہ (۲۴)

''وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود پیٹ بھر کر رات کو سوئے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا ہو۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من احتکر طعاما اربعین یوما فقد بری من اللہ و بری اللہ منہ و ایما اھل عرصة اصبح فیھم امرؤ جائع فقد برئت منہ ذمة اللہ (۲۵)

''جس شخص نے چالیس دن کا غلہ اپنے پاس ذخیرہ کئے رکھا تو وہ اللہ تعالیٰ سے الگ ہوگیا اور اللہ تعالیٰ اس سے الگ ہوگیا۔اور جس احاطہ والوں نے اس حال میں صبح کی کہ ان میں کوئی بھوکا انسان تھا تو اللہ تعالیٰ ان سے بری الذمہ ہے۔''

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ان اللہ عزوجل فرض علی الاغنیاء فی اموالھم مایکفی الفقراء فان جاعوا أوعروا أوجھدوا فبمنع الاغنیاء وحق علی اللہ تبارک وتعالی ان یحاسبھم ویعذبھم (۲۶)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مالداروں پر ان کے اموال میں سے اتنا فرض کیا ہے جو فقراء کیلئے کافی ہوجائے پس اگر یہ لوگ بھوکے یا ننگے یا کسی مشقت میں مبتلا رہیں تو یہ اسی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ مالدار لوگ ان کو ان کا حق نہ دیں۔اور پھر اللہ تعالیٰ پر یہ لازم ہوگا کہ وہ ان سے محاسبہ کرے اور ان کو سزا دے۔''

اسلام آپس میں اخلاقیات اور معاونت کی دعوت دیتا ہے۔اور مستقل اس کی ترغیب دیتے ہوئے کبھی اس کے فضائل بتلاتا ہے تو کبھی اس ذمہ داری کا احساس نہ کرنے والوں کیلئے وعیدوں کا بیان بھی کرتا ہے۔تاکہ لوگوں کے بیچ ہمدردی اور معاونت کا یہ سلسلہ چلتا رہے۔

مہمان کا حق

کسی مہمان کا اکرام اوراس کی ضیافت کرنے کوبھی اسلام نے واجب قرار دیدیا ہے۔صحیح بخاری میں حضرت ابوشریح الکعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلیکرم ضیفہ جائزتہ یوم ولیلة والضیافة ثلاثة ایام فما بعدذٰلک فھو صدقة ولایحل لہ ان یثوی عندہ حتی یحرجہ (۴۷)

''جوشخص بھی اللہ اوراس کے رسول پرایمان رکھتا ہوتو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔اس کا حق ایک دن اور ایک رات ہے۔اورمہمان نوازی کی مدت تین دن ہے ۔اوراس کے بعد صدقہ ہے۔اورمہمان کیلئے یہ جائزنہیں کہ وہ میزبان کے ہاں اتنالمباعرصہ ٹھہرارہے کہ اس کوتنگی میں مبتلا کردے۔''

ان روایات سے یہ ثابت ہوا کہ ایک دن اورایک رات تک کسی مہمان کی ضیافت اورمہمان نوازی کرنا یہ اس مہمان کا واجب حق ہے، جسے ادانہ کرنے والا گناہ گارہوگا۔اورایک دن سے زیادہ مہمان کی مہمان نوازی کرنا بھی باعث اجروثواب ہے اوراگرمیزبان یہ حق ادانہ کرے،اورانکارکرے تو مہمان اس سے اپنایہ حق زبردستی بھی لے سکتا ہے۔جیسا کہ جامع الترمذی میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

قلت یارسول اللہ انانمربقوم فلاھم یضیفوناولاھم یؤدون مالناعلیھم من الحق ولانحن ناخذمنھم فقال رسول اللہ ﷺ ان ابواالاان تاخذواکرھافخذوا (۴۸)

''میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ہم جب کسی قوم کے پاس سے گزرتے ہیں تو نہ وہ ہماری مہمان نوازی کرتے ہیں اورنہ ہی وہ ہمارے وہ حقوق ادا کرتے ہیں جوکہ ہمارے ان پرواجب ہیں،اورنہ ہی ہم ان سے لیتے ہیں۔اس پررسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ اگروہ لوگ زبردستی کئے بغیرمنع کرتے رہیں توتم ان سے زبردستی لےلو۔''

ان روایات سے یہ معلوم ہوا کہ اگرکوئی شخص کسی مہمان مسافر کے اکرام اورضیافت سے انکارکردے،اوراس کا یہ حق ادانہ کرے توجبری یہ حق لیا جاسکتا ہے۔

اضطراری کیفیت میں مبتلاانسان کا حق

کوئی حاجت منداورضرورت مندانسان اگراس کیفیت میں مبتلا ہوکہ اس کے پاس کھانے ،پینے کیلئے کچھ نہ ہو یا اس کو اپنے جسم کے چھپانے کیلئے لباس کی اشدضرورت ہو یا وہ ضرورت مندمریض ہواوراپنے علاج معالجے کیلئے وسائل نہ رکھتا ہو یا وہ بےگھر ہواوراس کے پاس رہنے کیلئے مکان نہ ہو۔ایسے ضرورت مندغریب کی مددکرنا ہرصاحب حیثیت مسلمان پرفرض ہے۔ایسے سخت حالات میں جب ایک غریب آدمی اپنی زندگی اورموت کی کشمکش میں مبتلا ہواسلام نے زکوٰۃ،صدقات اورعطیات وغیرہ کا

نظام رائج کیا ہے کہ ان ذرائع سے ایک مفلس کی مدد ممکن ہے۔لیکن اگر یہ صورتیں اس وقت میسر نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ سخت بھوک کی حالت میں حرام اشیاء اور خنزیر کے گوشت کے کھانے کی اجازت بھی دیتا ہے۔اور یہ بھی اس وقت کہ جب کسی بھی قسم کا کوئی حلال کھانا موجود نہ ہو،اور حرام کھائے بغیر کوئی چارہ ہی نہ ہو،اور موت کا خطرہ ہو۔جیسا کہ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حوالے سے ''المحلی''میں تحریر فرماتے ہیں:

ولا يحل لمسلم اضطران ياكل ميتة أولحم خنزير وهو يجدطعامافيه فضل عنه صاحبه لمسلم أو لذمي لان فرضاعلى صاحب الطعام اطعام الجائع فاذاكان ذٰلك كذٰلك فليس بمضطر الى الميتة ولاالى لحم الخنزير وبالله تعالى التوفيق .وله ان يقاتل عن ذٰلك فان قتل فعلى قاتله القودوان قتل المانع فالى لعنة الله لانه منع حقاوهو طائفة باغية (٢٩)

''کسی مسلمان کیلئے جو حالت اضطرار میں مبتلا ہو یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مردار یا خنزیر کا گوشت کھالے جبکہ اسے ایسا کھانا مل سکتا ہو جو کسی مسلمان یا ذمی کے پاس اس کی ضرورت سے زائد ہو۔اس لئے کہ کھانے کے مالک پر بھوکے انسان کو کھانا کھلانا فرض ہے۔پس ایسی حالت میں وہ مردار یا خنزیر کے گوشت کے کھانے پر مجبور نہیں۔اور اسے اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ اس معاملے میں جنگ کرنے پر آمادہ ہو جائے۔اگر وہ خود قتل ہو جائے تو اس کے قاتل پر دیت لازم ہو گی،اور اگر وہ مزاحمت کرنے والے کو قتل کر دیتا ہے تو وہ خدا کی لعنت کا مستحق ہو گا کیونکہ اس نے حق کے ادا کرنے میں مزاحمت کی،اور وہی بغاوت کرنے والا فریق تھا۔''

مجبور انسان اپنے اس حق کی وصولی کیلئے اس حد تک لڑ سکتا ہے کہ اگر یہ قتل ہو جائے تو قاتل پر دیت لازم ہو جائے گی اور اگر یہ مجبور انسان قاتل بن کر اس کو قتل کر دے تو اس پر اس کے قتل کے بدلے میں کسی قسم کی کوئی دیت لازم نہ ہو گی کیونکہ اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ اس نے ایک باغی شخص کو قتل کیا ہے اور باغی کے قاتل پر کسی قسم کی کوئی دیت نہیں ہوتی۔البتہ قاضی القضاۃ امام ابو یوسف رحمہ اللہ جنگ کرنے کے معاملے میں کھانے اور پینے کے درمیان فرق کرتے ہیں،جیسا کہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف''کتاب الخراج''میں تحریر فرماتے ہیں:

فان اصحابنا كانوا يرون القتال على الماء اذا خاف الرجل على نفسه بالسلاح اذا كان في الماء فضل عمن هومعه.ولايرون ذٰلك في الطعام ويرون فيه الاخذوالغصب من غير القتال (٣٠)

''ہمارے اصحاب کے نزدیک انسان پانی حاصل کرنے کیلئے اسلحہ کے ذریعے سے جنگ کر سکتا ہے جبکہ انسان کو اپنی جان جانے کا خطرہ ہو اور جس کے پاس پانی موجود ہو وہ اس کی اپنی ضرورت سے

زائد ہو۔اور کھانے کے بارے میں ان حضرات کی یہ رائے نہیں ہے۔اور اس معاملے میں وہ صرف قتال کئے بغیر چھیننے کی اجازت دیتے ہیں۔''

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے اس بیان پر تنقید کرتے ہوئے ''المحلی ''میں تحریر فرماتے ہیں:

فای فرق بین اباحواله من القتال علی مایدفع به عن نفسه الموات من العطش و بین ما منعوه منه من القتال عنه نفسه فیمایدفع به عنهاالموات من الجوع والعری.و هٰذا خلاف للاجماع وللقراٰن وللسنن و للقیاس (۳۱)

''ان دونوں حالتوں میں آخر کیا فرق ہے کہ ان حضرات نے سخت پیاس کی حالت میں موت کے خطرے سے جنگ کی اجازت دی ہے جبکہ بھوک اور ننگے بدن ہونے کی وجہ سے موت کے خطرے سے بچنے کیلئے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی۔اور یہ اجماع،قرآن کریم،حدیث اور قیاس سب کے خلاف ہے۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کی اس تنقید سے یہ معلوم ہوا کہ جس طرح سخت پیاس کی حالت میں مجبور شخص کو پانی کے حصول کیلئے لڑنے کی اجازت ہے اسی طرح سخت بھوک کی حالت میں بھی کسی کھانے کی چیز کو حاصل کرنے کیلئے لڑنے کا اختیار مجبور انسان کو حاصل ہے۔''

اسی بنیاد پر اس جنگ اور قتال سے بچنے کیلئے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں غریب،نادار اور مجبور شخص کی امداد کیلئے ایمان والوں کو ترغیب بھی دی گئی ہے کہ اگر واقعۃً کوئی اپنی مجبوری اور پریشانی سامنے رکھ کر کوئی سوال کرے تو اسے خالی ہاتھ مت جانے دو،اور اس کو ڈانٹو بھی مت۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک روایت نقل کرتے ہیں:

ردواالسائل ولوبظلف محرق (۳۲)

''سائل کو کچھ دے کر لوٹاؤ چاہے جھلسایا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو۔''

شافعی مذہب کے عالم علامہ رملی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''نہایۃ المحتاج''میں مسلمانوں کے ذمے جو کام فرض کفایہ ہیں ان کی فہرست بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ودفع ضررالمسلمین واهل الذمة ککسوة عار مایسترعورته أویفئی بدنه ممایضره و اطعام جائع اذالم یندفع ذٰلک الضرربزکوٰة و سهم المصالح من بیت الما ل، لعدم شیء فیه أولمنع متولیه ولوظلماً......... و منه یوء خذ انه لوسئل قادر فی دفع ضرر لم یجز له الامتناع وان کان هناک قادراٰخر (۳۳)

''اسی طرح مسلمانوں اور ذمیوں(یعنی اسلامی ریاست کے غیرمسلم شہریوں)سے ضرر اور تکلیف دور کرنا بھی فرض کفایہ ہے،مثلاً کسی برہنہ انسان کو اتنا لباس دینا جس سے وہ ستر عورت کر سکے یا اپنے بدن

کومضر اثرات (مثلاً گرمی اور سردی وغیرہ) سے بچا سکے، اور کسی بھوکے کو کھانا کھلانا جبکہ یہ ضرر زکوٰۃ کی مد سے اور بیت المال کے مصالح عامہ کی مد سے دور نہ ہوسکتا ہو، یا تو اس لئے کہ بیت المال میں کچھ موجود نہ ہو یا اس لئے کہ اس کا متولی اور منتظم دیتا نہ ہو، اگر چہ وہ ظلماً ایسا کر رہا ہو..........اور اسی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص جو اس ضرر اور تکلیف کو دور کرنے پر قادر ہو، اگر اس سے اس بات کا مطالبہ کیا جائے (کہ اس ضرر اور تکلیف کو دور کرنے پر خرچ کرے) تو اس کیلئے انکار کرنا جائز نہیں، اگر چہ وہاں کوئی دوسرا شخص بھی موجود ہو جو خرچ کرنے پر قادر ہو۔''

اور علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''المحلی''میں تحریر فرماتے ہیں:

فرض على الاغنياء من اهل كل بلدان يقوموا بفقرائهم ويجبر السلطان على ذٰلک(۳۴)

''اور ہر شہر کے مالداروں پر یہ فرض ہے کہ وہ محتاجوں کی مدد کریں اور حاکم اس معاملے میں ان پر زبردستی کرے۔''

قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور حضرات فقہاء کرام کے ان اقوال کی روشنی میں یہ کہا جائے گا کسی حاجت مند اور ضرورت مند انسان کی ضرورت پوری کرنا ہر صاحب حیثیت مسلمان کی شرعی ذمہ داری ہے خواہ وہ ضرورت کھانے پینے کی ہو یا لباس، رہائش اور علاج معالجے کی۔ اگر کوئی شخص باوجود قدرت اور استطاعت کے کسی ضرورت مند نادار کی ضرورت پوری نہیں کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔

مصادر و مراجع

(۱)القرآن:۱۷۔۲۶،۲۷

(۲)القرآن:۱۷۔۲۹

(۳)القرآن:۲۔۲۶۴

(۴)القرآن:۲۔۲۶۳

(۵)القرآن:۴۔۳۸

(۶)القرآن:۲۔۲۳۳

(۷)مسلم بن حجاج، ابوالحسن، صحیح مسلم، کتاب الحج باب حجة النبی ﷺ، کراچی قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ، جلد۱، ص۳۹۷

(۸)البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب النفقات باب اذالم ینفق فللمرأة ......، کراچی قدیمی کتب خانہ، ۱۳۸۱ھ، جلد۲، ص۸۰۸

(۹)ایضاً، باب حبس الرجل قوت سنة.....، ص۸۰۶

(۱۰)علی بن ابوبکر، ابوالحسن، الهدایه، کتاب الطلاق، باب النفقه، ملتان مکتبہ شرکت علمیہ، ۱۳۹۳ھ، ص۴۱۳

(۱۱)ابن قدامہ، عبدالل بن احمد، المغنی، بیروت دارالفکر۔ ۱۴۰۴ھ، جلد۹، صفحہ۲۳۱

(۱۲)السجستانی،سلیمان بن اشعث، ابو دوؤد سنن ابو داؤد، کتاب البیوع باب الرجل یاکل من مال ولده،ملتان مکتبہ امدادیہ،۱۳٦۱ھ،ص۱۴۱

(۱۳)ایضاً،ص۱۴۲

(۱۴) کاسانی،مسعود بن احمد،ابوبکر،بدائع الصنائع،کراچی ایچ ایم سعید،۱۴۰۰ھ،جلد۴،ص۳۰

(۱۵)القرآن ۲:۴۳

(۱٦)القرآن ٦:۱۴۱

(۱۷)البخاری،محمد بن اسماعیل،صحیح البخاری،کتاب الزکوٰۃ،باب وجوب الزکوٰۃ،جلد۱،ص۱۸۷

(۱۸)مسلم بن حجاج،ابوالحسن،صحیح مسلم،کتاب الایمان،باب الامر بالایمان بالله ورسوله وشرائع الدین،ص۳٦

(۱۹)القرآن ۳:۹۷

(۲۰)القزوینی،محمد بن یزید،ابوعبداللہ،سنن ابن ماجه،ابواب المناسك باب فرض الحج،کراچی قدیمی کتب خانہ،۱۴۰۷ھ،ص۲۰۷

(۲۱)ایضاً

(۲۲)امام ترمذی،محمد ابن عیسیٰؒ،جامع الترمذی،کتاب الزکوٰۃ باب ماجاء ان فی المال حقاً سوی الزکوٰۃ ،ملتان فاروقی کتب خانہ،۱۳۹۳ھ،ص۸۳

(۲۳)البخاریؒ،محمد بن اسماعیل،صحیح البخاری، کتاب الجهادباب فکاك الاسیر،ص۴۲۸

(۲۴)البغوی،ابومحمد حسین،مشکوٰۃالمصابیح ،کتاب الادب باب الشفقةوالرحمة علی الخلق،کراچی قدیمی کتب خانہ،۱۳٦۸ھ،ص۴۲۱

(۲۵)امام احمد بن حنبلؒ،مسند احمد، بیروت المکتب الاسلامی،۱۴۰۵ھ،جلد۲،ص۳۳

(۲٦) قاسم بن سلام،ابوعبیدہ، کتاب الاموال،شیخوپورہ المکتبۃ الاثریہ،۱۳۵۳ھ،ص۵۹۵

(۲۷)البخاری،محمد بن اسماعیل،صحیح البخاری،کتاب الادب،باب اکرام الضیف و خدمته۔،جلد۲۔،ص۹۰۴

(۲۸)امام ترمذی،محمد ابن عیسیٰؒ،جامع الترمذی ابواب السیر،باب ماجاء مایحل من اموال اهل الذمة،ص۱۹۲

(۲۹)اندلسی،علی ابن حزم،المحلی ،کتاب الزکوٰۃ ،مصرادارۃ الطباعۃ المنیر ہ،۱۳۴۹ھ،جلد٦،صفحہ۱۵۹

(۳۰)یعقوب،ابویوسف،کتاب الخراج،فصل فی القنی والأبار والانهاروالشرب،کراچی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ،۱۴۰۷ھ،ص۹۷

(۳۱)اندلسی،علی ابن حزم،المحلی

(۳۲)البیہقی ،احمد بن حسین،السنن الکبری،کتاب الزکوٰۃ،باب التحریض علی الصدقۃ،جلد۴،ص۱۷۷

(۳۳)رملی،محمد بن ابوالعباس،نهایة المحتاج، بیروت،ان۔س ن،جلد۸،ص۴۲

(۳۴)اندلسی،علی ابن حزم،ص۱۵٦